”الحسین علیہ السلام“ کے تبصرہ کا علمی جائزہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

عبدالحق صاحب کے رسالہ ”اردو“ کے جنوری ۱۹۵۶ء کے شمارہ میں ام۔اے۔ع (محمود احمد عباسی امروہوی) کے قلم سے عمر ابوالنصر کی کتاب ”الحسین“ کے ترجمہ مطبوعہ لاہور پر جو تبصرہ شائع ہوا ہے اس پر ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ کے اخباروں میں کافی احتجاج ہو چکا ہے مگر اس احتجاج کی نوعیت اظہار کرب و تکلیف اور مظاہرہ رنج و ملال سے زیادہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس تبصرہ کے مندرجہ مضامین کا علمی و تحقیقی جائزہ بھی لے لیا جائے۔ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر اس وقت قلم اٹھایا جا رہا ہے۔

(۱)

تبصرہ نگار کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ ”مولف نے ایک خاص فرقہ کے نظریہ کو پیش نظر رکھ کر اس تالیف کو مرتب کیا ہے تحقیق و تفتیش سے مطلق سروکار نہیں رکھا۔ ابومخنف وغیرہ شیعہ راویوں کے بیانات ہی پر حصر کیا ہے۔“

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ مولف کتاب (عمر ابوالنصر) خود شیعہ فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے جس کا خود ان کے نام سے ثبوت ملتا ہے کیونکہ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کم از کم کئی سو برس سے شیعوں میں عمرؔ وغیرہ نام بالکل متروک ہو گئے ہیں اور کوئی شیعہ یہ نام نہیں رکھتا۔ تو اس کے بعد یہ تصوّر کہ انہوں نے اپنی کتاب ایک خاص فرقہ کے نظریہ کے مطابق لکھی ہے مضحکہ خیز ہے بلکہ انصاف کی دنیا میں یہی نتیجہ صحیح سمجھا جا سکتا ہے کہ مؤلف کے جمہوری نقطہ نظر کے باوجود اگر اس کے مضامین میں کچھ اقلیتی نقطہ نظر کی جھلک پیدا ہوگئی ہے تو یہ مؤلف کی آزاد فکری، وسیع المشربی اور صفائی دل و دماغ کی دلیل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں تنگ نظری کو صرف کر کے تعصب سے کام نہیں لیا ہے اور بہت حد تک حقیقت پسندی کو پیش نظر رکھا ہے خصوصاً جبکہ انہوں نے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ اس کتاب میں وہ واقعات درج کئے جائیں گے جن کی ثقہ مورّخین اور مشہور و معروف مؤلفین نے تائید کی ہے۔ چنانچہ اپنے ماخذوں میں گیارہ عربی اور پانچ یورپی مورخین اور مولفین کی فہرست دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتابیں اور ان کے مولفین جن میں ابن اثیر، بلاذری وغیرہ کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام یا برٹینکا بھی شامل ہیں کسی حساب سے شیعہ نہیں ہیں۔ اب یا تو تبصرہ نگار کو ثابت کرنا چاہئے کہ مولّف نے جو کچھ درج کیا ہے وہ ان ماخذوں کے خلاف ہے۔ مگر ایسا نہ تبصرہ نگار نے ثابت کیا ہے اور نہ ثابت کر سکتا ہے اور یا پھر اس اعتراض کو غلط ماننا چاہئے کہ مولّف نے تمام تر ایک فرقہ کے نظریہ کو پیش نظر رکھ کر کتاب تالیف کی ہے، جب کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ وہی ہے جس کے شواہد ان ماخذوں میں موجود ہیں اور یہ ماخذ کسی ایک فرقہ کے نظریہ کو پیش نظر رکھ کر نہیں لکھے گئے تو جو کتاب انہی ماخذوں سے ماخوذ ہے، اسے ایک فرقہ کے نظریہ کا ترجمان کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے؟

(۲)

تبصرہ نگار کو دوسری شکایت یہ ہے کہ مؤلف نے کتاب کو ۱۴؍عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے جس میں پہلا ہی عنوان ہے ”خلافت پر اہل بیتؑ کا حق“

وہ کہتے ہیں کہ ”مؤلف کی یہ سراسر غلط بیانی ہے اور اس

غلط بیانی کی پوری تکذیب خوداس کے ماخذ طبری کی روایتوں سے ہوجاتی ہے۔'' اس کے بعدانہوں نے ایک مفروضہ روایت درج کی ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علیؑ سے قبل وفات رسولؐ کہا تھا کہ آؤ چلیں اور ان سے پوچھیں کہ یہ امر (خلافت) کن میں ہوگا۔''اس پر حضرت علیؑ نے کہا تھا''واللہ اس بات کو ہم رسول اللہؐ سے ہرگز نہیں پوچھیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اگر منع کر دیا تو پھر کبھی ہمیں لوگ نہیں ہونے دیں گے اور واللہ میں تو اس کے بارے میں ہرگز رسول اللہؐ سے نہیں پوچھوں گا'' وہ کہتے ہیں''کیا ان روایتوں سے جو خود مولف ہی کے ماخذ میں موجود ہیں اس کے اس بیان کی کہ خلافت اہلبیتؑ کا حق تھا پوری تردید نہیں ہوجاتی۔''

مگر جو شخص احادیث وسیر پر مطلع ہو وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ روایت اس سے قوی تر بلکہ متواتر احادیث وروایات کے خلاف ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متعدد صورتوں سے اہل بیت طاہرینؑ اور بالخصوص حضرت علی بن ابی طالبؑ کے ولی امر ہونے کا اعلان فرماتے رہے تھے۔ پھر اس صورت میں جناب عباس کیوں کہتے کہ اسے رسولؐ اللہ سے پوچھ لینا چاہئے اور حضرت علیؑ کیوں یہ جواب دیتے۔

اس کے علاوہ اہلبیتؑ کا اس امر (خلافت) میں حق وہ خودطبری کی اس روایت سے ثابت ہے جو صفحہ ۲۰۲ پر درج ہے کہ حضرت علیؑ نے خلیفہ اول ابوبکر سے کہا:''کنا نریٰ ان لنا فی **الامر حق فاستبددتم به علینا ثم ذکر قرابته من رسول الله صلی الله علیه وسلم و حقه۔''**

(ہم برابر یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اس امر (خلافت) میں ہمارا حق ہے مگر تم نے ہمارے خلاف استبداد سے کام لیا۔ اس ذیل میں آپ نے رسول سے اپنی قرابت اور اپنے حق کا تذکرہ کیا۔)

فلم یزل علی یقول ذالک حتی بکیٰ ابو بکر۔

(برابر حضرت علیؑ اس بارے میں کہتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رونے لگے۔)

اس سے ظاہر ہے کہ اہلبیت کا حق وہ تھا جسے صراحت کے ساتھ حضرت علیؑ نے خلیفۂ اول کے سامنے بیان کیا اور اس کا ان کے پاس کوئی جواب سوا رو پڑنے کے نہ نکلا۔

اب اس دور کے گواہ مدّعی سے زیادہ چست نکلے ہیں جو اہلبیتؑ کے حق ہی کو جھٹلانے کی جسارت کر رہے ہیں۔ اب جب تبصرہ نگار کی درج کردہ روایت کی تردید خود اسی ماخذ میں موجود ہے۔ تو مولف 'الحسینؑ' اس روایت کی طرف توجہ ہی کیونکر کر سکتے تھے۔''

اس ذیل میں لکھنؤ کے مشہور رسالۂ 'نگار' میں خلافت وامامت کے سلسلہ والے مضامین کا پڑھنا مفید ہوگا جن کا آغاز ''ہرنام'' ایک ہندو کے نام سے ہوا تھا اور ہرنام نے بدلائل ثابت کیا تھا کہ رسول اللہؐ کی جانشینی کا حق صرف حضرت علیؑ بن ابی طالب کو تھا۔

اس پر جناب نیاز فتحپوری کا محاکمہ ایک غیر جانبدار کی حیثیت سے (کیوں کہ موصوف چاہے سنّی نہ بھی سمجھے جائیں لیکن شیعہ تو بہر حال نہیں ہیں) خاص وقعت واہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے فروری ۱۹۳۶ء کے شمارہ میں لکھا ہے:-

''ہرنام کا استدلال دو باتوں پر مشتمل تھا: ایک یہ کہ جناب امیر اپنے خصائل وعادات کے لحاظ سے بھی مرجح حق خلافت کا رکھتے تھے اور دوسرے یہ کہ خود رسولؐ اللہ نے بھی غدیر خم میں اور اس کے قبل وبعد متعدد بار اپنے بعد ولایت ووصایت علیؑ کی صراحت فرمائی تھی۔ اس سلسلہ میں فاضل مقالہ نگار نے تمام روایات واسناد وہی پیش کئے تھے جو اہل تسنن کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور اس لئے سنیوں کی طرف سے جواب کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ وہ سرے سے ان روایات کے وجود ہی سے انکار کریں یا یہ کہ وہ ان روایتوں کا مفہوم اور بتائیں ۔ظاہر ہے کہ اول صورت جواب کی اختیار نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ روایات تو کتابوں سے نکالی نہیں جاسکتیں۔ اس لئے عموماً دوسری

صورت اختیار کی جاتی ہے یعنی بعض تو ان روایتوں کو ضعیف قرار دے کر ناقابل اعتناء خیال کرتے ہیں اور بعض الزامی جواب کے انداز میں ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جو فضائل جناب شیخین میں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

درآنحالیکہ ان دونوں میں سے کوئی طریقہ جواب کا مفید نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جن روایتوں کو آج ضعیف کہہ کر ناقابل استناد قرار دیا جاتا ہے وہ قدماء کے نزدیک حدرجہ قابل وثوق سمجھی جاتی تھیں اور فضائل شیخین کو جناب امیرؑ کے حق ولایت وخلافت سے کوئی واسطہ نہیں کیوں کہ آپ کی فضیلت نہ دوسرے کی فضیلت سے انکار کی مرادف ہوا کرتی ہے اور نہ اس سے کسی دوسرے کا حق محو ہوسکتا ہے۔''

پھر آخر میں ہر دلیل پر بحث کے بعد لکھا ہے:۔

''اس میں شک نہیں کہ ان روایات وواقعات سے نہ صرف یہ کہ جناب امیرؑ کی غیر معمولی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ بڑی حد تک یہ بھی کہ رسولؐ اللہ اپنے بعد آپ ہی کو جانشین بنانا چاہتے تھے۔''

پھر جولائی ۱۹۳۶ء کے شمارہ میں لکھا ہے:-

''یقیناً حضرات شیعہ اس اعتقاد میں بالکل حق بجانب ہیں کہ رسول اللہؐ جناب امیرؑ کی خلافت چاہتے تھے اور اپنی اس خواہش کا آپ نے اظہار بھی فرما دیا تھا۔ اہلسنت دیگر خلفاء کے صرف فضائل بیان کر کے اس حقیقت کو مٹانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ کیوں کہ سوال خلافت کا ہے نہ کہ محض فضیلت کا۔ اسی کے ساتھ اہل سنت کا مناظرانہ پہلو اس لئے اور بھی زیادہ کمزور ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے شیعہ روایات سے ثابت نہیں کر سکتے اور شیعی حضرات خود اہل سنت کی روایات سے حضرت علیؑ کی وصایت وخلافت کو ثابت کر دکھاتے ہیں۔''

اب ایک مسلمان کی نظر میں تو رسول اللہؐ کا منشا ثبوت استحقاق کے لئے کافی ہے، اس لئے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں ورنہ اہلبیتؑ کے استحقاق کے لئے خود خلیفہ دوم جناب عمر اور ارکانِ شوریٰ (جسے خلیفہ دوم نے اپنے بعد کے لئے مقرر کیا تھا) کے بھی اعترافات موجود ہیں۔

(۳)

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مؤلف نے جا بجا حضرت معاویہ جیسے بزرگ صحابی پر سبّ وشتم کرنے سے بھی اجتناب نہیں کیا۔''

جہاں تک ہم نے ''الحسین'' کے انداز تحریر کو دیکھا ہے اس میں متانت وشائستگی کو ہاتھ سے نہیں دیا ہے۔ رہ گئی کسی کے افعال پر بحث اور اس پر نقد وجرح، اسے مطلقاً سبّ وشتم میں داخل کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں قطعاً درست نہیں ہے۔

رہ گیا معاویہ کو ''بزرگ صحابی'' کہنا تو یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ موصوف کا اصطلاحی معنی میں صحابی ہی ہونا ثابت نہیں ہے، ''بزرگ صحابی'' ہونا تو بہت دور ہے جن پر علامہ محمد بن عقیل حضرمی نے اپنی کتاب **''النصائح الکافیه لمن یتولی معاویه''** میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۴)

تبصرہ نگار رقم طراز ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن عمر نے ابن الزبیر اور حسینؑ دونوں سے فرمایا تھا کہ ''اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو۔''

ہم نہیں کہہ سکتے کہ عبداللہ بن عمر نے ایسا کہا تھا یا نہیں۔ بالفرض اگر کہا ہو تو چاہے تبصرہ نگار اپنے ''خلیفہ زادہ'' کی عظمت کے اظہار کے لئے ان کے قول کو بڑی اہمیت کے ساتھ درج کرے مگر ہم ادب کے ساتھ عرض کریں گے کہ خود جناب عبداللہ بن عمر کے عمل کی روشنی میں ان کے قول کا وزن باقی نہیں رہتا، کیوں کہ خود انہوں نے اس کے پہلے حضرت علی بن ابی طالبؑ ایسے مسلم الثبوت خلیفۂ راشد کی بیعت نہیں کی اور اس بارے میں اللہ سے نہ ڈرے اور نہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ سے اجتناب کیا۔ پھر یہ واقعہ ہے خود بیعت یزید سے انکار کرنے والوں میں ابتدأیہ جناب عبداللہ بن عمر بھی تھے۔ اور معاویہ کی تمام کوششوں کے باوجود انہوں نے بیعت نہیں کی اور پھر یزید کے

برسراقتدار آنے کے بعد بھی وہ بیعت سے کنارہ کش ہی رہے یہاں تک کہ امام حسینؑ شہید ہوگئے۔ جب حضرت کی شہادت ہوگئی اس وقت عبداللہ بن عمر نے بیعت کرلی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حق وانصاف کے رُو سے وہ بیعت یزید کو باطل اور انکار بیعت کو حق ہی سمجھتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ شہادت امام حسینؑ کو دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہوگئے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ انکار بیعت تو اللہ کے ڈر سے تھا اور جب جو بیعت فرمائی وہ تلوار کے ڈر سے۔ پھر کیا یہی کردار وہ ہوسکتا ہے جسے حضرت امام حسینؑ ایسے بطل جلیل کے سامنے بطور مثالی پیش کیا جائے؟

(۵)

تبصرہ نگار کا ارشاد ہے کہ

''حضرت حسینؑ کے بزرگوں، عزیزوں، دوستوں اور ہمدردوں نے انہیں طرح طرح سمجھایا تھا، منع کیا تھا، خطرات سے آگاہ کیا تھا۔''

ہم نہیں سمجھتے کہ یہ بزرگ کون ہیں، عزیز کون ہیں، دوست کون ہیں اور ہمدرد کون؟ جن لوگوں کے مشورے تاریخ میں مذکور ہیں وہ لے دے کر چند آدمی ہیں:-

(۱) محمد بن حنیفہ (۲) عمر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی (۳) عبداللہ بن عباس (۴) عبداللہ بن زبیر (۵) عبداللہ بن جعفر

یہی گنے چنے اشخاص ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ تبصرہ نگار نے ان میں کس کو امام حسینؑ کا بزرگ قرار دیا ہے۔ کسے عزیز کسے دوست اور کسے ہمدرد......... بہرحال ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ رائے نہیں دی کہ یزید کی بیعت کرلی جائے بلکہ سوال صرف قیام مکہ، قیام مدینہ، سفر عراق یا کسی اور جانب توجہ کا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یزید کی بیعت کو یہ سب ہی ناجائز سمجھتے تھے۔

(۶)

تبصرہ نگار نے بڑی جسارت کے ساتھ یہ ادعا کر دیا ہے

کہ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس ''سن وسال کے اعتبار سے' رسول اللہ کے شرف صحبت کے لحاظ سے، اپنے علم وفضل، اتقاء و پرہیزگاری کے اعتبار سے حضرت حسین اور ابن الزبیر سے بدرجہا فائق تھے۔''

معلوم نہیں تبصرہ نگار نے فوقیت کا پیمانہ کیا قرار دیا ہے؟ اور کیا معیار ہے جس سے فوقیت کی جانچ کرتے ہیں۔ صرف سن وسال تو ظاہر ہے کسی فریق نے معیار فوقیت نہیں قرار دیا ہے، ورنہ ابوقحافہ کی موجودگی میں خلافت ان کے فرزند کو کس طرح مل سکتی تھی اور گر شرف صحبت کو بھی سن وسال ہی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی جناب ابوقحافہ کے شرف صحبت کو مافوق ماننا پڑے گا۔ رہ گئے دوسرے اوصاف وفضائل ان کے لحاظ سے، ہم نہیں جانتے کہ پیغمبرؐ خدا کے احادیث سے زیادہ کوئی معیار تفوق کسی مسلمان کی نظر میں ہو ظاہر ہے کہ رسولؐ اللہ ہر ایک کے مراتب واوصاف کی مقدار کو چودہ سو برس کے بعد پیدا ہونے والے عباسی صاحب سے زیادہ جانتے تھے۔ آخر آپ نے کچھ سمجھ کر فرمایا تھا: **الحسن والحسین سیداشباب اھل الجنۃ**۔ اس کے بعد شیعوں کا ذکر نہیں جو عبداللہ بن عمر کے اہل الجنہ میں داخل ہونے ہی کو تسلیم نہ کریں گے۔ دوسرے فرقہ کے افراد جو انہیں جنتی تسلیم کرتے ہیں انہیں حضرت امام حسینؑ کے تحت سیادت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

(۷)

خیرالامہ عبداللہ بن عباس کے متعلق یہ حکایت کہ انہوں نے یزید کی معاذ اللہ بیعت کرلی تھی اور یہ کہ انہوں نے یزید کو ''صالح ونیکوکار'' بتایا ہے بالکل غلط ثابت ہوتی ہے۔ ان کے اس خط سے جو انہوں نے یزید کے نام لکھا ہے اور جسے ابن اثیر وغیرہ مورّخین نے درج کیا ہے، اس میں انہوں نے انتہائی اخلاقی جرأت سے کام لے کر خود یزید کو مخاطب کرکے لکھ دیا ہے کہ

'مجھے اپنی جان کی قسم ہے میں نے کبھی تمہاری تعریف نہیں کی۔ اور کبھی تم سے محبت کا دم نہیں بھرا۔'

نیز اس خط سے اس کی بھی رد ہوجاتی ہے کہ ابن عباس معاذ اللہ تفرقہ پردازی کا ذمہ دار امام حسینؑ کو سمجھتے تھے۔ انہوں نے صاف یزید کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس بات کو بھلا دوں گا کہ تم نے حسینؑ کو قتل کیا۔ میں نہیں بھولوں گا اور کبھی نہ بھولوں گا۔ یہ کہ تم نے حسینؑ کو حرم خدا اور حرم رسولؐ سے نکالا اور تم نے ابن مرجانہ کو حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔ میں تو خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ منتقم حقیقی بہت جلد تمہاری گرفت کرے گا اور اپنے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔''

یہ خط کافی طولانی ہے۔ بنظر اختصار چند سطور کے نقل کرنے پر اکتفا کی گئی۔

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب یہ خط یزید نے پڑھا تو سخت برافروختہ ہوا اور ابن عباس کے قتل کا ارادہ کیا مگر ابن زبیر کے ساتھ معرکۂ جنگ میں مشغول ہو کر قتل ابن عباس کی تدبیر نہ کر سکا۔

کیا اس خط کے بعد کسی سلطنت دمشق کے نمک خوار کا یہ حکایت تصنیف کرنا کہ ابن عباس نے یزید کی بیعت کی اور اسے صالح و نیکوکار'' کہا صریحی جھوٹ نہیں ثابت ہوتا؟

(۸)

عباسی تبصرہ نگار کا ایک اموی (دمشقی شامی) مورخ کے یہاں سے ڈھونڈھ کر محمد بن الحنفیہ کی زبان سے یزید کی پابندی شرع، نیکوکاری اور دینداری کی تعریف نکالنے سے اس حقیقت پر کیوں کر پردہ پڑسکتا ہے جو تواتر تاریخی سے ثابت ہے کہ مختار نے یزید کے مقابلہ میں خون امام حسینؑ کے انتقام کا علم بلند کیا تھا، وہ جناب محمد بن الحنفیہ کے نائب کی حیثیت سے۔ یہ ممکن ہے کہ اس خط کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے جو محمد بن الحنفیہ کی طرف سے ابراہیم بن مالک اشتر کے نام لکھا گیا تھا لیکن پھر بھی یہ امر مسلّم ہے کہ محمد بن الحنفیہ کی امداد کے لئے ابن زبیر کے مقابلہ میں مختار ہی کی فوج گئی تھی او رجناب محمد بن الحنفیہ نے ان کی امداد قبول کی تھی اور ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا تھا۔ نیز وہ برابر مختار کے حالات کے جویا رہتے تھے۔

اگر یہ واقعہ ہوتا کہ محمد بن الحنفیہ نے معاذ اللہ یزید کی بیعت کی ہوتی اور وہ اس کے مداح ہوتے تو بھلا مختارؒ کے لئے یہ کیوں کر ممکن ہوتا کہ وہ ان کی نیابت کے مدعی ہوسکتے اور پھر یزید کی طرف سے مختار کے پروپگنڈے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کیوں نہ جناب محمد بن الحنفیہ کو دعوت دی جاتی کہ وہ کھلم کھلا مختار سے برأت کا اعلان کریں بلکہ مختار کے مقابلہ میں عملی سرگرمیوں میں شریک ہوں۔ یہ کچھ نہ ہونا اور کئی سال تک مسلسل جناب مختار کی سرگرمیوں کا بنام محمد بن الحنفیہ جاری رہنا اس کا ثبوت قطعی ہے کہ ان کی طرف یزید کی بیعت اور مدح کی نسبت صریحی بہتان اور عظیم افترا ہے جو یزید کے بعض پرستاروں کی طرف سے حرکت مذبوحی کے طور پر وجود میں آیا ہے۔ اور اسی لئے طبری، ابن اثیر، ابوالفداء، دنیوری، ابن قتیبہ، ابن واضح، مسعودی، سیوطی وغیرہ کسی مورخ نے اس کی طرف کوئی اعتنا نہ کی اور صرف دمشق کی سرزمین پر وہ حکایت تصنیف ہو کر وہیں کی لکھی جانے والی تاریخ میں محدود ہو کر رہ گئی۔ لیکن تیرہ سو برس کے مورخین نے اسے ہرگز قابل قبول نہیں سمجھا۔

(۹)

کسی کی یہ گواہی یزید کے حق میں کہ

''وہ نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا، سنت نبوی کا التزام رکھنے والا ہے''

کیا وزن رکھتی ہے جب کہ اس کے خلاف

(۱) خود یزید کے پدر مشفق جناب معاویہ کی گواہی ہے کہ

لو لا محبة یزید لا بصرت طریق الرشد

''اگر یزید کی محبت نہ ہوتی تو میں سیدھا راستہ اختیار کر لیتا'' جسے علامہ ابن حجر مکی نے فضائل معاویہ کی کتاب (تطهیر الجنان واللسان) میں درج کرتے ہوئے اس کی تشریح کی ہے کہ یزید کی محبت نے انہیں راہ راست سے ایسا

اندھا کر دیا تھا کہ انہوں نے اس فاسق وفاجر کو ولی عہد بنا کر مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر دیا۔

(۲) یزید کے (ادّعا کردہ) چچا زیاد بن ابیہ کی گواہی ہے:

ان یزید صاحب مرسلة وتهاون مع هنات وهنات

''یزید لاابالی اور مطلق العنان، ناگفتہ بہ کردار والا ہے۔''

(۳) یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کی گواہی ہے جو اس نے برسر منبر دی کہ

''یہ منصب میرے والد کو پہنچا اور وہ بھی اس کے مستحق نہ تھے اب ان کی عمر ختم ہوگئی اور وہ قبر میں اپنے گناہوں کی قید میں پہنچ گئے۔

سب سے بڑی مصیبت ہمارے لئے اس امر کا احساس ہے کہ ان کا انجام برا ہوا۔ انہوں نے اولا د رسول کو شہید کیا اور شراب کو مباح کر دیا اور کعبہ کو برباد کیا۔''

(۴) خود یزید کی گواہی ہے کہ جو اس کے اشعار میں درج ہے اور اس کا وہ دیوان مصر میں طبع ہو چکا ہے اور ہمارے سامنے موجود ہے اس میں اس نے اپنی شراب خواری ہی کا پروپگنڈ کیا ہے۔ پرہیز گاری کا نہیں۔

(۵) صحابی رسولؐ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی گواہی ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں، وہ شراب پیتا ہے، طنبورہ بجاتا ہے، گانے والیوں سے گانے سنتا رہتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔''

نیز یہ کہ ''وہ ایسا شخص تھا جو ماں بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا، شراب پیتا اور نماز ترک کرتا تھا۔''

(۶) منذر بن زبیر کی گواہی ہے کہ ''وہ شراب پیتا ہے اور مست ایسا ہوتا ہے کہ نماز ترک کر دیتا ہے''۔

(۷) بنی امیہ کے خلیفۂ صالح عمر بن عبدالعزیز کی گواہی ہے جس کے سامنے کسی نے یزید کے نام کے ساتھ ''امیر المومنین'' کی لفظ کہہ دی تو انہوں نے اسے بیس (۲۰) تازیانوں کی سزا دی۔

(۸) اس کے علاوہ تیرہ سو برس کے تمام مورخین کی گواہیاں ہیں جنہوں نے اس کے فسق وفجور کے واقعات تفصیل کے ساتھ درج کئے ہیں۔ ان کے مقابل میں دمشق (دارالسلطنت یزید) کے ایک نفر لکھنے والے کی درج کردہ حکایت کا سہارا لینا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا نہیں تو اور کیا ہے؟

(۱۰)

عباسی تبصرہ نگار آج کل کے اپنے ایسے ایک مصری مورخ کے اس جسارت آمیز فقرہ کو بڑی اہمیت دے رہا ہے کہ ''حسینؑ نے بڑی شدید غلطی اپنے خروج میں کی "**نعوذ باللہ من ذالک**''، لیکن آخر وہ اس کے بالمقابل اسی دور کے اہل الرائے کے آراء کو کیوں نہیں دیکھتے اور ان کی روشنی میں کیوں فیصلہ نہیں کرتے مثلاً:۔

(۱) عبدالرحمن بن ابی بکر کی رائے:۔

''معاویہ کا یزید کو اپنے بعد حاکم بنانا کسریٰ اور قیصر کا طریقہ ہے۔ ہم ہرگز اس شرابی اور زانی کی بیعت نہ کریں گے۔''

(۲) ام المومنین عائشہ (معاویہ سے مخاطب ہو کر) کیا تم سے پہلے شیخین نے بھی اپنے بیٹوں کے لئے کبھی بیعت لی تھی؟ پھر تم کس کی پیروی کرتے ہو؟''

(۳) حسن بصریؒ ''معاویہ کی چار باتیں وہ ہیں جن میں سے ایک بھی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اول انہوں نے بزور شمشیر خلافت کو حاصل کیا درآں حالیکہ اس وقت اصحاب رسولؐ میں ان سے افضل لوگ موجود تھے۔ دوسرے اپنے بعد اپنے بیٹے کو جو شراب اور نشہ باز تھا اور خلاف شریعت محمدی ریشم پہنتا اور طنبور بجایا کرتا تھا، مسلمانوں کا خلیفہ بنایا۔ تیسرے زیاد کو اپنا بھائی ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اس کا ہو سکتا ہے جو اصلی شوہر ہو اور زناکار کے لئے پتھر ہیں۔ چوتھے حجر اور اصحاب حجر کا قتل کرنا۔

(۴) یزید کا چچازاد بھائی ولید بن عقبہ بن ابی سفیان (حاکم مدینہ) ''جو شخص حسینؑ کے خون کی ذمہ داری لے کر خدا کے یہاں جائے گا اس کے اعمال خیر کا پلہ انتہائی سبک ہوگا''۔

(۵) تمام عالم اسلامی نے امام حسینؑ کے اقدام اور اس کے نتیجہ کو کس نظر سے دیکھا اس کے لئے خود یزید کی گواہی موجود ہے کہ قتل حسینؑ کے جرم کو سنگین سمجھ کر نیکو کار اور بدکار سب ہی آدمی مجھ کو دشمن رکھنے لگے ہیں ۔''

(۶) اس بحث کے خاتمہ پر آخر میں پھر خیر الامۃ عبداللہ بن عباس کی شہادت درج کی جاتی ہے جس سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت امام حسینؑ پر خروج کا الزام ہی غلط ہے بلکہ جب آپ مکہ میں پرامن طور پر مقیم تھے اسی وقت یزید نے آپ کے خون بہانے کا انتظام کر دیا تھا۔ اسی خط میں انہوں نے یزید کے نام تحریر فرمایا تھا لکھا کہ تم نے اپنے آدمیوں کو حرم الٰہی میں خانہ کعبہ کے پاس بھیجا کہ حسینؑ کو حرم خدا میں، کعبہ الٰہی کے پاس ہی قتل کر ڈالیں اور تم برابر حسینؑ کو خوف دلاتے اور پریشان کرتے رہے یہاں تک کہ تم نے حسینؑ کو عراق جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ سب کچھ اسلئے کیا گیا کہ تمہارے دل میں عدوات الٰہی، دشمنی رسولؐ اور ان کے اہل بیت اطہارؑ کا جن کی شان میں خدا نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی بغض بھرا ہوا ہے''۔

اس سب کے بعد حضرت امام حسینؑ کو مورد الزام وہی سمجھ سکتا ہے جس کا سلسلہ نسب کسی طرح یزید اور آل یزید تک پہنچتا ہو یا ان نمک خواروں تک جن کا گوشت و پوست بنی امیہ کے یہاں کے حرام لقموں ہی سے روئیدہ ہوا تھا اور یہ انہی لقموں کا اثر ہے جواب تک کسی نہ کسی شکل میں سامنے آیا کرتا ہے۔

(سرفراز محرم نمبر ۶ ۷ ۱۳ھ)

بقیہ۔۔۔مذہب کی بابت کیوں سوچیں

دائمی فائدہ، وہاں کا خسارہ دائمی خسارہ ہے۔ وہاں انسان کو اس کے تمام اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

خدا اور آخرت کے تصور کے بعد، دنیا کے اعمال کی وہاں جزا اور سزا پانے کے اعتقاد کے بعد قانون کی خلاف ورزی کے بارے میں ضمیر وعقل اور جذبۂ حب نفس کے تقاضوں میں کوئی تصادم باقی نہیں رہتا۔ ضمیر وعقل حب نفس کے ہم آواز ہوجاتے ہیں اور جذبۂ حب نفس عقل وضمیر کا ہم نوا ہوجاتا ہے۔ عقل وضمیر بھی کہتے ہیں کہ قانون کی خلاف ورزی نہ ہونا چاہیے اور حب نفس کا جذبہ بھی کہتا ہے کہ قانون کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ پابندی میں تیرا فائدہ ہے اور خلاف ورزی میں تباہی، بربادی اور رسوائی ہے۔

ایسی فوج اور پولیس نکمی ہے!

یہ مستقل دشواری ہے کہ اس پولیس، اس فوج، اس عدالت کے دل میں اپنی ذمہ داری کا احساس کیونکر پیدا کیا جائے گا جو مادی ذہنیت رکھتی ہے؟ جس کے نزدیک اس کا فائدہ اور نقصان اسی دنیا میں محدود ہے۔ اگر یہ تینوں طاقتیں جنہیں قانون کے نفاذ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، خیانت اور غداری کریں، مجرمین سے ساز باز کرلیں تو ان پر کیونکر قابو پایا جائے گا؟ ان کی نگرانی کے لئے جن اشخاص کو مقرر کیا جائے، وہ بھی دوسروں کے مانند مادی ذہنیت رکھتے ہیں، وہ کس واسطے اپنے فائدہ سے چشم پوشی کریں؟ کیوں نہ اپنی حکومت اور ملازمت کے دوران میں جائز اور ناجائز ہر ذریعہ سے پیسہ بٹور کر اپنے اور اپنی اولاد کے مستقبل کے لئے انتظام کرلیں؟

دور کے ڈھول سہانے!

ادارۂ اقوام متحدہ بین الاقوامی قوانین کے نفاذ میں کیا کامیابی حاصل کرسکتا ہے؟ وہی ادارۂ اقوام متحدہ جہاں دنیا کے چند مقتدر حکومتوں کو مستقل حق دے دیا گیا ہے کہ جو تجویز وہ اپنے مفاد کے خلاف سمجھیں وہ اسے منسوخ کردیں۔ کیا یہ ادارہ کسی ملک کو اپنی ممبری قبول کرنے پر مجبور کرسکتا ہے؟ کیا اس نے حکومت اسرائیل کو حکم نہیں دیا کہ وہ عربوں کے مقبوضہ علاقہ کو دیدے؟ کیا اسرائیل نے اس حکم کی اطاعت کی اور اقوام متحدہ کے حکم کا احترام کیا؟

اقوام متحدہ کا ادارہ کسی ملک کے زیادتی کرنے کے موقع پر صرف صلح آمیز طریقوں سے اس کو ظلم وتعدی سے باز رکھنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئے تو فقط اتنا اس کے بس میں ہے کہ اس کے تمام ممبران اس ملک کو اکیلا چھوڑ دیں اور وہ یوسف بے کارواں بن جائے۔ اس سے زائد ادارۂ اقوام متحدہ کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔